

## 30842- ارامکو کپنی میں سینوگ سسٹم کا نظام اور اس کے متعلق فتاوی جات میں اختلاف کے بارے میں موقن

### سوال

ہم ارامکو سعودی کپنی میں ملازم ہیں، ہم بھی ایک مسلمان کی طرح شرعی اور حلال مال حاصل کرنا اہم سمجھتے ہیں، اللہ جانتا ہے کہ ہم ان آخری ایام میں لکنے پریشان ہیں، ممکن ہے سعودی ارامکو کپنی کے سینوگ سسٹم کے متعلق آپ کو کچھ معلومات حاصل ہوں (کپنی مجھے تغییر دیتی ہے کہ میں ان کے پاس کچھ رقم جمع کرواتا رہوں جو مجھے ریٹائرمنٹ یا کپنی میں کام پچھوڑنے کے وقت پنش کی صورت میں ملے گی) چنانچہ پنش میری مدت ملازمت کے مطابق خاص تناسب کی بنیاد پر بنے گی، مثال کے طور پر : اگر میری مکمل حصہ داری 1000000 ریال ہوا اور کپنی میں میری ملازمت دس برس ہو تو میری سینوگ 1000000 ایک لاکھ ریال ہوگی۔ اور اگر میری ملازمت کی مدت سات برس ہو تو میری سینوگ 1000000 میں سے صرف 70% ستر فیصد ہوگی جو کہ 70000 ریال ہے۔

پہلے تو ہمیں بھی معلوم تھا کہ یہ نظام شرعی طور پر حرام ہے اور دائی فتویٰ کمیٹی کے علماء کا فتویٰ یہی ہے، لیکن کچھ دن پہلے عبد اللہ بن منج حفظہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فتویٰ آیا ہے کہ یہ نظام جائز ہے، تو ہم حیرانی میں پڑھ گئے، اب ہمیں نہیں معلوم کہ ہم دائی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ مانیں اور اس پر عمل کریں یا مہر اقتصادیات شیع منیع کے فتویٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کریں؟

### پسندیدہ جواب

اول :

ارامکو کپنی میں سینوگ کے جس نظام پر عمل کیا جا رہا ہے وہ حرام اور صریح اسود ہے، کیونکہ اس میں قرض کے بدے میں نفع دیا جاتا ہے، اس لیے کہ جس نے ایک لاکھ ریال دیا تاکہ وہ دس یا سات برس کے بعد یا اس کے علاوہ کسی اور مدت کے بعد واپس لے اور اس کے ساتھ اضافت اسے (مکافات) یعنی پنش جس کی مقدار ایک لاکھ یا ستر ہزار ریال یا ایک ریال بھی ہو ملے گا، یہ صریح اسود ہے جس کے حرام ہونے کے بارے میں اجماع ہے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کیستہ ہیں :

(کوئی بھی قرض جس میں شرط رکھی گئی ہو کہ رقم واپس کرتے وقت زیادہ دے گا بغیر کسی اختلاف کے حرام ہے، ابن منذر رحمہ اللہ کستہ ہیں : اس پر سب کا اجماع ہے کہ جب قرض خواہ، مقروض شخص پر زیادہ یا ہدیہ دینے کی شرط لگا کر قرض دے، تو یہ سود ہے۔

اور ابی بن کعب اور ابی عباس اور ابی مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی منافع کے بدے میں قرض دینے کو منع فرار دیا ہے)

"المفہی" (436/6)

اگر کپنی اس نظام کو ادخار (جمع کرنا) یا سرمایہ کاری، اور مضاربہ جیسے نام دے تو ان ناموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ ہر وہ سرمایہ کاری جس میں رأس المال کی ضمانت دی جائے وہ قرض شمار ہوتا ہے، اگرچہ لوگ اسے کوئی اور نام دیتے رہیں، چنانچہ اعتبار تو اشیاء کی حقیقت کا ہوتا ہے نہ کہ ان کے نام کا۔

اور جائز سرمایہ کاری، یا ادخار کے کئی بنیادی ضوابط ہیں، جن میں سے اہم یہ ہیں :

1- یہ کہ مال آپ کا ہو، اور کام دوسرے فریق کا، اور اگر فریق ٹانی اپنی محنت کے ساتھ مالی حصہ بھی ڈالنا چاہے تو کوئی حرج نہیں۔

2- یہ کہ سرمایہ کاری کسی مباح کام میں ہو اور آپ کے علم میں ہو، کیونکہ غالب طور پر یہ کمپنیاں سودی بنکوں میں رقم رکھ کر سرمایہ کاری کرتی ہیں، یا پھر ایسے پراجیکٹ شروع کرتی ہیں جو مباح اور جائز نہیں ہوتے۔

3- دونوں فریق منافع کی نسبت پر اتفاق کریں، نہ کہ رأس المال سے، مثلاً: آپ کو منافع میں سے پچاس فیصد یادس فیصد ملے۔

4- مضاربت پر کام کرنے والا شخص آپ کے لیے رأس المال کی ضمانت نہ دے، بلکہ جب (کوتاہی کے بغیر) خسارہ ہو جائے تو خسارہ آپ کے مال میں ہو گا اور وہ اپنی محنت کا نقصان برداشت کریگا۔

اور جب رأس المال کی ضمانت دی جائے تو معاملہ قرض بن جائے گا، جس کی منافع کے بغیر ادائیگی کرنا ضروری ہے، اور اگر اس میں زیادہ کی شرط رکھی جائے تو وہ سود ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہم سے سود اور اس کے خطرات کو دور کرے اور ہمیں حرام کی بجائے حلال کمائی کے ساتھ غمی کر دے۔

حاصل یہ ہوا کہ ارامکو کپنی میں رأس المال کی ضمانت ہونے کی وجہ سے پایا جانے والا سینوگ سسٹم (یعنی جمع کرانے اور پھر پش کی شکل میں واپس لینے) کا نظام حرام ہے، اور اس لیے بھی کہ منافع کی شرح فیصد رأس المال کیسا تھا محدود ہے، تو یہ اس صورت میں منافع کے ساتھ قرض بننے کا، اور اس لیے بھی کہ جس بلکہ سرمایہ کاری کی جا رہی ہے وہ مجبول ہے اس کا علم نہیں۔

دائی فتویٰ کمیٹی نے ملازم کو کپنی سے ملنے والے مكافأہ (پشن) کے باطل ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسکی وجہ یہ بتلائی ہے کہ یہ مكافأہ (پشن) صرف اسے ملتا ہے جو پیسے جمع کروائے، اور اگر یہ صرف مكافأہ ہی ہوتا تو سب ملازمین کو دیا جاتا۔

اور جیسا کہ سائل نے ذکر بھی کیا ہے کہ:

شیخ ابن باز رحمہ اللہ تعالیٰ کی سربراہی میں دائی فتویٰ کمیٹی کے علماء نے جن میں شیخ عبدالرزاق عفیفی، اور شیخ عبداللہ بن غدیان، اور شیخ عبداللہ بن قعود جو کہ کبار علماء کرام میں شامل ہوتے ہیں، ان سے ارامکو کپنی میں ادخار یعنی سینوگ سسٹم کے متعلق سوال کیا گیا تو ان کا جواب تھا:

"ارامکو کپنی میں پائے جانے والے سینوگ سسٹم میں شراکت حرام ہے، اس لیے کہ اس میں ربا الفضل اور ربا النسا (ادھار اور زیادہ سود دوں) پایا جاتا ہے، اور یہ اس لیے کہ اس میں سود کی نسبت محدود اور مقرر کردہ ہے جو کہ جمع کرانے گئے مال پر سعودی ملازم کے لیے پانچ فیصد سے لیکر سو فیصد تک ہے، اور اسی طرح (تخواہ سے) جمع کروانے والے ملازم کو مكافأة یعنی پشن کی شکل میں کچھ دیا جاتا ہے جبکہ جمع نہ کروانے والے کو کچھ نہیں دیا جاتا، جیسا کہ انہوں نے اپنے سینوگ سسٹم میں بیان کیا ہے۔"

مانوذ از: "فتاویٰ الحجۃ الدائمة" (510/13)

اور اسی طرح شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم نے بھی ارامکو کپنی کے سینوگ سسٹم کے متعلق حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔

دوم:

جب کسی مسئلہ کے شرعی حکم کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہو جائے تو فتویٰ لینے والے کو چاہیے کہ وہ فریضیں کے دلائل کو دیکھتے ہوئے حق جاننے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرے، اور دلائل کی بنیاد پر عمل کرے، یہ تو اس وقت ہے جب فتویٰ لینے والا طالب علم ہو اور ترجیح کی قدرت رکھتا ہو۔

لیکن اگر وہ شرعی علم میں عدم تخصص کی بنیاد پر ترجیح نہیں دے سکتا تو اسے چاہیے کہ وہ بڑے اور قابل اعتماد عالم کی بات کو لے اور اس پر عمل کرے، لیکن عامی آدمی کو مختلف اقوال میں سے مرضی سے اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اور ہمارے اس مسئلہ میں واضح ہو گیا ہے کہ کبار علمائے کرام نے حرمت کا فتویٰ دیا ہے، اور مخالفین کے مقابلے میں یہی زیادہ علم رکھنے والے اور قابل اعتماد میں۔ اس مخالفت کو ہم باعث برج حنیف بن نباتے۔ اس لیے آپ پر واجب اور ضروری ہے کہ آپ مذکورہ بالدلائل اور تفصیل کی بنیاد پر اس نظام سے دور رہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ سے علمائے کرام کے اختلاف کے متعلق ایک مسلمان کے موقف کے بارے میں سوال کیا گیا تو ان کا جواب تھا:

"جب مسلمان کے پاس اتنا علم ہو کہ وہ علمائے کرام کے اقوال کے مابین دلائل کے ساتھ موازنہ اور مقارنہ کر سکے اور ان میں ترجیح دے سکے اور زیادہ صحیح اور راجح کو معلوم کر سکے تو اس پر ایسا کرنا واجب اور ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تنازع امور کو کتاب و سنت پر پیش کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

**﴿فَإِن تَخَاذُلُمُّ فِي شَيْءٍ فَرْدُؤهُ إِلَى اللَّهِ وَالْأَوْلَى إِنَّكُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَإِنَّمَا الظَّرْفُ ذَلِكَ تَحْزِيزٌ وَآخْرَى تَنْهِيَةٌ وَلِيَلَا﴾۔ النساء (59)**

**﴿إِنَّمَا تَأْكُلُنَّمُّ كُلَّمُّ فِي دُرْدُؤهُ إِلَى اللَّهِ وَالْأَوْلَى إِنَّمَا الظَّرْفُ ذَلِكَ تَحْزِيزٌ وَآخْرَى تَنْهِيَةٌ وَلِيَلَا﴾۔ النساء (59)**

امّا اختلاف کردہ مسائل کو کتاب و سنت کی طرف لوٹایا جائے گا اور دلیل کے ساتھ جو راجح ہو اسے لے لیا جائے گا، کیونکہ واجب اور ضروری تو دلیل کی اتباع ہے، اور علمائے کرام کے اقوال دلائل صحیحے کے لیے صرف معاون ہوتے ہیں۔

اور اگر مسلمان شخص کے پاس اتنا علم نہیں کہ اس سے وہ علمائے کرام کے اقوال کے مابین ترجیح دے سکے، تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ ان اہل علم سے سوال کرے جن کے علم اور دین پر اسے اعتماد ہو، اور وہ اسے جو فتویٰ دیں اس پر عمل کرے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

**﴿فَإِنَّمَا تَأْكُلُنَّمُّ كُلَّمُّ لَا تَنْهَاَنُونَ﴾۔**

**﴿إِنَّمَا تَأْكُلُنَّمُّ كُلَّمُّ لَا تَنْهَاَنُونَ﴾۔ الانبیاء (43)**

اور علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ عام آدمی کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اسکے مفتی کا مذہب ہو۔

امّا جب اہل علم کے اقوال میں اختلاف ہو تو وہ سب سے زیادہ قابل اعتماد اور صاحب علم شخص کی بات مانے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کو کوئی بیماری لاحق ہو تو وہ احتیاط کرتے ہوئے سب سے زیادہ ماہر، قابل اعتماد اور تجربہ کارڈاکٹر کو متلاش کرتا اور اس کے پاس جاتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کی نسبت صحیح کے زیادہ قریب ہے، تو پھر دینی معاملات تو دنیاوی امور سے زیادہ احتیاط کے قابل ہیں۔

لیکن کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ علمائے کرام کے اقوال میں سے ایسا حق خلاف قول اختیار کرے جو اس کی خواہش کے موافق ہو، اور نہ ہی اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایسے علمائے کرام سے فتویٰ حاصل کرے جنہیں دیکھتا ہے کہ وہ مسائل اور فتویٰ میں تقابل سے کام لیتے ہیں۔

بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اپنے دین کے لیے اختیاط سے کام لے اور ایسے علمائے کرام سے مسائل دریافت کرے جو زیادہ علم رکھنے والے ہوں، خوف الہی و خشیت رکھیں"۔  
انتہی

دیکھیں: "اختلاف العلماء اسبابہ و موقفہ منہ" صفحہ (23)، مزید تفصیل کے لیے آپ سوال نمبر (22652) کے جواب کا مطالعہ کریں۔

پھر مسلمان شخص کے لیے ضروری اور واجب ہے کہ وہ ایسے شخص سے فتویٰ لینے سے اعتناب کرے جو تقابل سے کام لینے میں معروف ہو اور اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے قابل اعتماد علمائے کرام کی خلافت کرنے میں مشورہ معروف ہو۔

اسی طرح مسلمان کو خواہشات نفس کی اتباع اور پیروی کرنے اور ان فتووں کو لینے اور ان پر عمل کرنے سے بچنا چاہیے جو اس کی خواہشات کے موافق ہوں اور جو اس کا دل چاہتا ہو اس کی موافقت کریں، کیونکہ مسلمان شخص سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ خواہشات نفس کی خلافت کرے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے :

(وَأَنَّمَنْ خَافَ مَقَامَ زَيْرَةٍ وَجَحِيَ النَّفْسُ عَنِ الْأَنْوَى فَإِنَّ أَنْجِنَةَ هِيَ النَّاؤُى).

(اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گی اور اپنے نفس کو خواہشات سے روک دیا تو اس کا شکانہ جنت ہے)۔

واللہ اعلم۔